تبصرہ و تعارف

اشک ستارے (شعری مجموعہ)

شاعر: سلیم سرفراز

صفحات: ۲۲۴، قیمت: ۱۳۰/روپے

ناشر: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی

سلیم سرفراز عام طور پر ایک افسانہ نگار کی حیثیت سے جانے جاتے ہیں۔ ان کے افسانوں کے تین مجموعے خواب کنارے، یاد سہارے اور دھوپ سنوارے منظر عام پر آچکے ہیں۔ ویسے بحیثیت شاعر بھی ان کی شناخت پوشیدہ نہیں ہے لیکن غزلوں کے اس اوّلین مجموعے 'اشک ستارے' کے ذریعہ ان کی ادبی شخصیت کی ایک نئی جہت سامنے آئی ہے جو ایک باکمال غزل گو کی ہے۔ ہر عہد اپنے دور کے شاعروں سے تقاضا کرتا ہے کہ اس کی شاعری انفرادی حسیت کے ساتھ ساتھ سماجی اور اجتماعی تصورات کی بھی عکاسی کرے۔ علاوہ ازیں حیات اور کائنات کے آفاقی خطوط کی شناخت بھی پیش کرے۔ اس سرسری سی تعریف کے بعد جب ہم سلیم سرفراز کی غزلوں کو دیکھتے ہیں تو ہمیں ایک انوکھی تازگی، ایک منفرد انداز بیان اور تجربات و مشاہدات کی ایک نئی دنیا نظر آتی ہے۔

جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ مغربی بنگال کی سرزمین اردو شعر و ادب کے لیے بڑی سنگلاخ ہے انھیں سلیم سرفراز کی غزلوں کا مطالعہ کرنا چاہیے جو اپنے اسلوب، اپنے ڈکشن، اپنی نادر تشبیہات اور دلکش استعارات سے ہمارے قلب کو اپنا گرویدہ کر لیتی ہیں۔ ان کی غزلوں کے مطلع ہی ہمیں چونکا دیتے ہیں۔ ثبوت کے طور پر درج ذیل مطلع پیش کیے جا سکتے ہیں:

کچھ آشکار غبار سفر سے ہوتا ہوا
کوئی گیا ہے اسی رہ گزر سے ہوتا ہوا

عجب جنوں ہے سر شام گھر سے جانے کا
یہ وقت تو ہے پرندوں کے لوٹ جانے کا

وادیٔ غزل میں سلیم سرفراز کا تخلیقی سفر اپنے دامن میں محض تھکن یا غبار ہی نہیں سمیٹتا بلکہ تجربات و مشاہدات کے نت نئے گل بوٹے بھی بھر لیتا ہے اور ایسا بھی نہیں کہ ان کے یہاں غزلوں میں ایک دو اشعار ہی اچھے مل جاتے ہیں کیونکہ جن غزلوں کے مطلعے اوپر نقل کیے گئے ان ہی غزلوں میں ایسے اشعار بھی مل جاتے ہیں جو آپ کو ورطۂ حیرت میں غرق کر دیتے ہیں:

اب اس سے وسعت صحرا ہی دو بدو ہوگی
کہ بڑھ رہا ہے جنوں میرے سر سے ہوتا ہوا

ابھی کہاں ہوئی تکلیف دہ شعاع مہر
نواحِ چشم تری یاد شبنمی ہے ابھی

جو پیش پیش رہا بستیاں جلانے میں
اسے ہی کام ملا دشت کو بسانے کا

تو نے تو سہل طریقے سے گزاری ہے حیات
دیکھ ہم کیسے یہاں روز سے شب کرتے ہیں

اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ غزل کی ہیئت میں اس کے آغاز سے لے کر اب تک کوئی تبدیلی رونما نہیں ہوئی اور کم و بیش آج بھی اس کا انداز بیان زیادہ تر روایتی ہوتا ہے۔ اسی لیے تو یہ خیال عام ہے کہ غزل کہنا بہت آسان ہے، لیکن اس آسان صنف سخن میں وہی غزل گو اپنی شناخت قائم کرنے میں کامیاب ہوتا ہے جس کے کلام میں زبان و بیان کا عمل تخلیقی ہونے کے ساتھ فکر کی بلندی اور تجربات و مشاہدات کی باریکی بھی جھلکتی ہو۔ یہ اسی وقت ممکن ہے جب شاعر وسیع و وقیع نظر رکھتا ہو اور جو زندگی کے مختلف پہلوؤں کو اس انداز سے پیش کرتا ہو کہ قاری کو یہ محسوس ہو کہ وہ خود ہی ان تجربات سے گزرا جب ہی تو کامیاب اشعار قارئین کو اپنی گرفت میں لے لیتے ہیں:

جس خطۂ حیات پہ شعلہ بکف ہے دھوپ
بارش کا اہتمام وہیں ہو نہیں رہا

گم ہوئے دشت تمنا میں پرندے سارے
راستہ ان کا مگر بوڑھے شجر دیکھتے ہیں

ایسا نہیں ہے سلیم سرفراز اپنے اِرد گرد کے حالات سے بے خبر رہ کر صرف واردات قلب ہی کی داستاں رقم کرتے ہیں بلکہ ان کے اشعار میں جا بجا عصر نو کا کرب بھی سمٹ آیا ہے:

ہمارا خون بھی تو جنگ آزادی میں شامل ہے
کتابوں میں ہمارے بھی حوالے کیوں نہیں رہتے

ہمارا دین تو امن و اماں کا استعارہ ہے
یہ دہشت گرد کیسے ان کے پردے سے نکل آئے

اب تو انصاف یہاں دھوپ کی طاعت میں ہے
فیصلہ ابر کے حق میں نہیں ہونے والا

مختصر یہ کہ سلیم سرفراز ایک ایسا شاعر ہے جسے نظر انداز کرنا ادبی جرم ہوگا۔ وہ اپنے بیشتر ہم عصروں سے کہیں ممتاز ہے یہ اور بات ہے کہ خود ستائش سے دور ہے۔ یہ مجموعہ اردو قارئین کے لیے ایک بیش بہا تحفہ ہے۔

تبصرہ نگار: ڈاکٹر معصوم شرقی

آر۔این۔ایل۔بی لین۔743194 (شمالی کولکاتہ)

صادقہ نواب سحر شخصیت اور فن: فکشن کے تناظر میں
مرتبین: پروفیسر محمد تُراب علی یداللہٰی، محمد اسلم نواب
صفحات: ۷۹۹، قیمت: ۸۰۰/روپے
ناشر: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی

صادقہ نواب سحر برصغیر کی خواتین فکشن نگار قلم کاروں میں ایک ممتاز مقام کی حامل ہیں۔ وہ گزشتہ صدی سے جس تن دہی سے متواتر اردو ادب کی خدمت میں متحرک و فعال نظر آتی ہیں اس کی مثال اس وقت برصغیر ایشیا میں ملنا بہت مشکل ہے۔ صادقہ نواب سحر اردو زبان کی سربرآوردہ تخلیق کاروں میں شمار ہوتی ہیں۔ فکشن پر انھیں خصوصی دسترس حاصل ہے۔ حالانکہ وہ اچھی شاعرہ اور ڈراما نگار بھی ہیں۔ اس کے علاوہ انھوں نے ترجمے بھی کیے ہیں اور ہندی زبان میں بھی ادب تخلیق کر رہی ہیں۔ قطع نظر اس کے فکشن میں صادقہ نواب سحر کی تخلیقی صلاحیت کو بڑی حد تک سراہا گیا ہے اور کتاب صادقہ نواب سحر: شخصیت اور فن (فکشن کے تناظر میں) سے پتہ چلتا ہے کہ صادقہ نواب کو کس پایہ علمی قد کے قاری اور طالب علم نصیب ہوئے ہیں۔

صادقہ نواب سحر کی شخصیت اور فن پر ترتیب دی گئی اس کتاب میں سب سے پہلے مرتبین پروفیسر میر تُراب علی اور محمد اسلم نواب نے عرضِ مرتب کے تحت صادقہ نواب کی شخصیت اور ادبی جہت کو خوبصورتی سے روشن کیا ہے۔ اس کے بعد پیش لفظ دور حاضر کے ایک بڑے فکشن نگار اور نمائندہ ادیب نورالحسنین نے ''اک آہوے خوش چشم'' کے بعنوان قلمبند کیا ہے۔ ان کے بقول ''وہ ایک ہمہ جہت ادیبہ ہیں اور ادبی رسائل سے پوری طرح جڑی ہوئی ہیں، کبھی افسانے کی صورت، کبھی شعری تخلیقات کے بہانے، کبھی اُن کی کسی کتاب کا تبصرہ، کبھی افسانے اور ناولوں پر لکھے گئے مضامین میں اُن کا تذکرہ دکھائی دیتا ہے اور اُن کا نام ذہنوں میں گونجتا رہتا ہے۔ یعنی اب وہ اس منزل پر پہنچ چکی ہیں کہ جہاں عصری ادبی تنقید اُن کے نام کے بغیر مکمل نہیں ہوسکتی۔'' نورالحسنین کے یہ الفاظ ان کے پیش لفظ کا نچوڑ سمجھے جا سکتے ہیں جس میں انھوں نے صادقہ نواب کے ادبی مرتبے کا پہلودار وصف نمایاں کیا ہے۔

اس کتاب کے کُل چار ابواب ہیں۔ پہلے باب میں شامل انیس مضامین صادقہ نواب سحر کی شخصیت کا احاطہ کرتے ہیں۔ جس میں کچھ تاثراتی ہیں تو کچھ صادقہ نواب کی شخصیت اور فن کے منکشف پہلوؤں کو نمایاں کرتے ہیں۔ باب اوّل کے مضمون نگاروں میں اسلم نواب، پروفیسر انتخاب حمید، پروفیسر تُراب علی یداللہٰی، ستار ساحر، نذیر فتح پوری، ڈاکٹر مشتاق احمد وانی، ڈاکٹر اسلم جمشید پوری اور شاہ عمران حسن وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ ان مضامین میں صادقہ نواب سحر کو ایک کہانی کار، ناول نگار، ڈراما نگار اور ایک شاعرہ کے طور پر سمجھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ باب اوّل میں نقد پارے کے تحت کچھ مشاہیرِ ادب کے تاثرات کو بھی جگہ دی گئی ہے جس میں وارث علوی، مجتبیٰ حسین، پروفیسر بیگ احساس، عبدالصمد، مسرور جہاں اور شمس الحق عثمانی وغیرہ خاص ہیں۔ باب دوم صادقہ نواب سحر کے مشہور ناول ''کہانی کوئی سناؤ متاشا'' پر اردو میں لکھے گئے تینتیس اور انگریزی کے تین مضامین پر مشتمل ہے۔ اس حصّے میں اردو کے بعض شہرت یافتہ ناقدین، استاذ قلم کاروں اور اسکالروں کے مضامین شامل ہیں جس میں پروفیسر علی احمد فاطمی، پروفیسر مناظر عاشق ہرگانوی، ڈاکٹر آفتاب احمد آفاقی، پروفیسر قاضی حبیب احمد، ایم مبین، عبدالسمیع، قمر جہاں اور ڈاکٹر عشرت ناہید وغیرہ اہم ہیں۔ اس گوشے کی ایک خاص اہمیت یہ بھی ہے کہ اس میں بعض مضمون نگاروں نے اردو زبان میں فکشن کے مسائل خواتین قلم کاروں کے حوالے سے، خواتین طبقے کے نفسیاتی مسائل اور تانیثی ادب کی مختلف جہتوں پر تذکرہ کرتے ہوئے ''کہانی کوئی سناؤ متاشا'' میں متاشا کے کردار اور اس کی زندگی کی الجھنوں اور پریشانیوں کا بہتر انداز میں تجزیہ کیا ہے۔ انگریزی زبان میں وکرم چوپڑہ، ڈاکٹر ٹلنی راما سوامی اور شردھا شیٹے کے مضامین شاملِ کتاب ہیں۔ اس باب میں تبصرے کا گوشہ بھی ہے جس میں ''کہانی کوئی سناؤ متاشا'' پر مختلف رسائل و جرائد میں شائع شدہ تبصرے شامل ہیں اور اسی ناول کے تعلق سے موصولہ مکتوبات کو نقد پارے کے ذیل میں رکھا گیا ہے۔ تبصرہ نگاروں اور مکتوب نگاروں میں شمس الرحمٰن فاروقی، قمر رئیس، جیلانی بانو، یعقوب یاور، مولا بخش، خورشید حیات، اعجاز علی ارشد، نصرت ظہیر، اشتیاق سعید، ڈاکٹر نشاں زیدی، محمد متین ندوی ہیں۔

صادقہ نواب سحر کا دوسرا ناول ''جس دن سے'' پہلے ناول کے بالکل آٹھ سال بعد یعنی ۲۰۱۶ء میں شائع ہوا۔ اس ناول کے تعلق سے کتاب کے باب سوم میں تئیس مضامین اور پانچ تبصروں کے علاوہ نقد پارے پر مبنی سات مشاہیر کے مکتوبات و آرا بھی شامل ہیں۔ مضامین لکھنے والوں میں پروفیسر مجید بیدار، پروفیسر قدوس جاوید، شہناز کنول غازی، پروفیسر اشرف جہاں، ڈاکٹر مقبول سلیم، ڈاکٹر سید شجاعت علی، ڈاکٹر ممتاز جہاں صدیقی، نسترن احسن فتیحی، شہناز صبیح، صدف اقبال وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔ تبصرے اور نقد پارے کے گوشے میں بھی چند ادبا کی تحریریں کافی دلچسپ ہیں۔ ان مضامین میں صادقہ نواب سحر کی ادبی حیثیت، تخلیقی حسن، ناول نگاری کے فنی و فطری امتیازات میں مہارت، بیانیہ کی جادوگری، سماجی و معاشی اور نفسیاتی مسائل کی بے باکانہ عکاسی، تصور و تخیل اور مطالعہ و مشاہدہ کی قدرت، انسانی رشتوں کو سمجھنے اور پھر ان کو تخلیقی روپ میں برت کر سحر انگیزی پیدا کرنے سے

متعلق خوب خوب اظہار ہوا ہے۔ باب چہارم صادقہ نواب سحر کے افسانوی مجموعے ''خلش بے نام سی'' پر لکھے گئے بیس مضامین، چار تبصروں اور بعض اہم ادیبوں کے نقد پاروں پر محیط ہے۔ صادقہ نواب کے افسانوی مجموعے پر خورشید اکرم، ڈاکٹر منظر حسن، ڈاکٹر شہاب ظفر اعظمی، ڈاکٹر بی داؤد محسن، پروفیسر محمد دانش غنی، ڈاکٹر نشاں زیدی، رفیق جعفر، ارشاد شفق اور رضوانہ پروین وغیرہ نے مضامین لکھے ہیں۔ جب کہ تبصرہ نگاروں میں قمر جہاں، اسرار گاندھی، وصیل خان اور وصی اللہ حسینی قابل ذکر ہیں۔ صادقہ کی افسانہ نگاری پر تحریر کیے گئے مضامین میں ان کا افسانوں میں برتا گیا موضوعی اور فکری عنصر واضح ہو جاتا ہے۔

''مکھوٹوں کے درمیان'' صادقہ نواب سحر کے ڈراموں کا مجموعہ ہے۔ پانچواں باب اس مجموعے پر لکھے گئے دس مضامین، پانچ تبصروں اور ادبا کے نقد پاروں پر مشتمل ہے۔ مضمون نگاروں میں اقبال نیازی، ڈاکٹر قطب سرشار، شمس الدین آغا، رفیق جعفر، شہناز صبیح، انیس جاوید، بشریٰ چشتی وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ جبکہ مبصرین میں م۔ ناگ، احمد علی جوہر، ذاکر فیضی اہمیت رکھتے ہیں۔ ان تمام مضامین میں صادقہ نواب سحر کی ڈراما نگاری کے ساتھ مکمل انصاف کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ان کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ صادقہ نواب نے اپنے ڈراموں میں اس کے فنی اوصاف اور اجزائے ترکیبی کو برتنے میں تخلیقی ہنرمندی کا مظاہرہ کیا ہے۔ صادقہ نواب کے متعلق یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ ڈراما کے فنی تقاضوں سے واقف ہیں اور ان میں کامیاب ڈرامے تخلیق کرنے کی مہارت بھی ہے۔ اس کتاب کا آخری حصہ انٹرویوز پر مبنی ہے، جس میں صادقہ نواب سے لیے گئے حقانی القاسمی اور افتخار امام صدیقی کے انٹرویوز، ان کا سوانحی تعارف اور موصوفہ کا لکھا ایک مضمون ''میرے فکشن لکھنے کے تجربے'' قابل ذکر ہیں۔

مجموعی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ اس کتاب کے منظر عام پر آجانے سے صادقہ نواب سحر کے فکشن سے متعلق تمام گوشے وا ہو گئے ہیں۔ یہ کتاب فکشن پر کام کر رہے اسکالروں کے لیے عہد حاضر کی مقبول اور نمائندہ قلم کار اور فکشن نگار سے متعلق بہت حد تک رہنما ثابت ہوگی۔

تبصرہ نگار: غلام نبی کمار

مکان نمبر P-98، چوتھی منزل، لین 2، بٹلہ ہاؤس، جامعہ نگر، نئی دہلی

پرواز (شعری مجموعہ)

شاعر: طاہر علی جوہر

صفحات: ۲۳۲، قیمت: ۲۵۰/روپے

ناشر: عرشیہ پبلی کیشنز، دلشاد کالونی، دہلی۔95

زیر تبصرہ شعری مجموعہ طاہر علی جوہر کا پہلا شعری مجموعہ ہے۔ موصوف ایک زمانے سے شعری مشق کر رہے ہیں۔ عمر کی اسّی بہاریں دیکھنے کے بعد ان کی شعری کاوشیں صفحۂ قرطاس پر وجود میں آئیں۔ اس مجموعے میں کل ۷۷ نظمیں شامل ہیں۔ موصوف نے حالاتِ حاضرہ اور روز مرہ کے مشاہدات سے متاثر ہو کر اپنی شعری جہتوں کے لیے مواد اکٹھا کیا۔ طاہر علی جوہر کی نظموں میں قاری کو نظیر اکبر آبادی کی نظموں کا سا لطف ملتا ہے۔ بلند شہر سے ہجرت کرنے کے بعد طاہر علی جوہر نے میرٹھ کو اپنا مسکن اور اسی سرزمین کو اپنا کارزار بنایا۔ میرٹھ کے تعلق سے اس مجموعے میں کئی نظمیں موجود ہیں۔ علاقائی ادب پر ان کی گہری نظر ہے۔ واقعہ چھوٹا ہو یا بڑا، اس کو اپنی نظموں میں پیش کرنا باکمال شاعر کا ہی وصف ہوتا ہے۔ موصوف نے اپنے پیش لفظ میں یہ بھی اشارہ کیا کہ انسان کے مرنے کے بعد صرف اس کی تحریر کردہ عبارتوں کو ہی تا قیامت یاد کیا جاتا ہے۔ ان کی نظموں میں ان کی سادہ مزاجی کے دیدار جا بجا ہوتے ہیں۔ ان نظموں میں ہمیں ان کے احساسات اور ذی شعوری کے ساتھ ذہنی تخلیقیت کے نقوش بھی ملتے ہیں۔ سنجیدہ قاری اگر ان کی شاعری میں شعری رچاؤ کو تلاش کرے گا تو اسے ناکامی ہاتھ لگے گی۔ البتہ طنز و مزاح کی آمیزش اس شعری مجموعے میں بدرجۂ اتم موجود ہے۔ پند و نصائح اور واعظانہ طریقے سے قاری تک موصوف نے اپنی بات کو سادگی کے ساتھ پہنچایا ہے۔ ان کی نظموں کے عنوانات سے ہی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اس مجموعے میں کس طرح کے موضوعات پر طاہر علی جوہر نے خامہ فرسائی کی ہے۔ احکامِ الٰہی، نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، محمد ﷺ، وجودِ باری تعالیٰ، مسلک، حلال روزی، قول و عمل، ماں باپ، بیٹیاں، لیڈر، فلمی دنیا، گاندھی جی کا انصاف، مکھوٹا میلہ نوچندی، بڑھاپا، زندگی، جسمِ انسانی، عورت، پردہ، جہیز، فیشن، مفلس، رسم و رواج، ترک تعلیم کے نقصانات، مسلم راجپوت، قہر خدا، مومن، اشاعت اسلام، سفر آخرت، اسلام کیا ہے، روٹیاں، مدرسہ و خانقاہ اور سفر ملک عدم کا، جیسی نظمیں اس مجموعے میں شامل ہیں۔ نظم لیڈر میں ملک کے بچوں میں لیڈر کی پہچان بتاتے ہوئے طاہر علی جوہر نے عیار اور مکار لیڈروں سے خبر دار اور ہوشیار رہنے کی تلقین کی۔ ساتھ ہی لیڈروں کی باتوں پر قطعی بھروسہ نہ کرنے کا مشورہ بھی موصوف نے بچوں کے ساتھ بڑوں کو بھی دیا۔ نظم لیڈر کے درج ذیل اشعار ملاحظہ کیجیے:

آؤ بچو تمھیں بتائیں لیڈر کی پہچان
مذہب سے جو دور رہے یہ ہے اس کی شان
مکاری اور فریب کے فن میں لیڈر ہوتے ماہر
مذہب فروشی کام ہے ان کا یہ ان کی پہچان

نظم 'بیٹیاں' میں طاہر علی جوہر نے بیٹیوں کی عظمت، تقدس اور دنیا میں

ان کی قدر و قیمت پر والہانہ انداز میں اپنی بات کو پیش کیا۔اس نظم میں دنیا کے سامنے بیٹوں اور بیٹیوں کے درمیان کی جارہی تفریق پر رنج وغم کا اظہار کیا۔اس نظم میں طاہر علی جوہر نے بیٹی کے مختلف روپوں کا بیان،ان کی ایثارِ قربانی،وفاشعاری اور والدین کی فرماں برداری و اطاعت گزاری کے واقعات کو قلم بند کیا۔اس نظم کے چند اشعار ملاحظہ کیجیے تاکہ بیٹیوں کی اہمیت،عظمت اور تقدس کا اندازہ بخوبی لگایا جاسکے:

دل کا قرار آنکھ کا ہیں نور بیٹیاں
ماں باپ پر نثار ہیں دن رات بیٹیاں
شادی کا جوڑا پہن کر ہوتی ہیں جب وداع
سسرال جاتے وقت رلاتی ہیں بیٹیاں

میرٹھ سے والہانہ محبت اور شغف کے سبب طاہر علی جوہر نے 'میلہ نوچندی' نظم تخلیق کی۔اس نظم میں موصوف نے فرقہ وارانہ ہم آہنگی کے ساتھ اس میلے کی تاریخ پر بھی روشنی ڈالی ہے۔میرٹھ کی تاریخ میں چنڈی دیوی کے مندر کے رت جگے اور بالے میاں کے مزار پر کی جانے والی چادر پوشی پر بھی اشعار کہے ہیں۔علاوہ ازیں میلہ نوچندی کے حلووں،جلووں، میلوں،ٹھیلوں اور یہاں کی مشہور نان کھتائی کا ذکر بھی برسبیل تذکرہ کیا گیا ہے۔۱۸۵۷ء کی ناکام جنگ آزادی پر بھی اس نظم میں اشعار کہے گئے ہیں۔دراصل میلہ نوچندی میرٹھ شہر کی آن،بان اور شان کا غماز ہے۔نظم نوچندی کے چند اشعار ملاحظہ کیجیے:

میلہ نوچندی بھی میرٹھ کی پہچان ہے
بالے میاں کا عرس یہاں نو چندی کی شان ہے
راون کی بیوی کا میکہ میرٹھ کو بتلاتے ہیں
چنڈی کے مندر میں آتی تھی یہ بھی ایک پہچان ہے
نو گیٹ میرٹھ میں ہیں جن کی شان نرالی ہے
شمبھو گیٹ نو چندی والا اس کی الگ پہچان ہے

اس پورے مجموعے میں قاری کے دل کو چھو جانے والی نظمیں بھی شامل ہیں۔دراصل طاہر علی جوہر نے اپنی زندگی میں درآئے تلخ تجربات کو شعری جہت کا سامان بنایا۔ان کی نظمیں چھوٹی بحروں میں ہیں جن میں نغمگی اور دل کشی کے الفاظ موجود ہیں۔نظیر اکبر آبادی کی مشہور زمانہ نظم ''روٹیاں'' اور '' آدمی نامہ'' کے طرز پر طاہر علی جوہر نے بھی نظم ''روٹیاں'' اور ''مفلسی'' نظمیں تخلیق کیں۔اس نظم کو پڑھتے وقت نظیر اکبر آبادی کی نظم '' روٹیاں'' کے اشعار ذہن میں تازہ اور گردش کرنے لگتے ہیں۔بہر کیف!اس مجموعے ''پرواز'' کے منظر عام پر آنے سے دبستان میرٹھ میں ایک اور شاعر کا ظہور،جوہر کی شکل میں ہوا ہے۔مبارک باد کے مستحق ہیں طاہر علی جوہر جو اپنی عمرِ عزیز کا ایک طویل سفر گزارنے کے بعد بھی اُردو شاعری کے اسیر بنے ہوئے ہیں اور اپنے قلم سے اس کے گیسوؤں کو سنوار رہے ہیں۔تبصرے کے آخر میں نظم ''پرواز'' کا یہ شعر ملاحظہ کیجیے:

شاہین بن پرواز کر سود و زیاں تو کچھ نہ دیکھ
رکھ تو منزل پر نظر دوری منزل نہ دیکھ

تبصرہ نگار:ابراہیم افسر
وارڈ نمبر 1،مہپا چوراہا،نگر پنچایت سیوال خاص ضلع میرٹھ (یوپی)
موبائل: 9897012528

خواب پلکوں میں (شعری مجموعہ)
شاعر: وشال کھلّر
صفحات: ۱۷۶، قیمت: ۳۰۰/روپے
ناشر: انشا پبلی کیشنز،زکریا اسٹریٹ،کولکاتہ

'خواب پلکوں میں' نوجوان شاعر وشال کھلر کا دوسرا شعری مجموعہ ہے۔وشال کھلر ۱۹۸۰ء میں چنڈی گڑھ میں پیدا ہوئے۔ابتدائی تعلیم مکمل کرنے کے بعد انھوں نے زراعتی اقتصادیات میں ایم ایس سی،کمیونی کیشن (مواصلات عامہ) میں ایم اے اور اردو زبان میں ڈپلوما کی ڈگری حاصل کی ہے۔وہ اردو،ہندی،پنجابی،انگریزی اور فرانسیسی زبان سے واقفیت رکھتے ہیں اور پنجاب زراعتی یونیورسٹی،لدھیانہ (Punjab Agricultural University, Ludhinana) میں ملازم ہیں۔ وشال کھلر کی اولین غزل ۲۰۰۱ء میں ماہنامہ ''شاعر'' میں شائع ہوئی۔ موصوف کو متعدد ادیبوں اور کرم فرماؤں کی حوصلہ افزائیوں نے شعر و شاعری کی دنیا میں قدم رکھنے کی جانب حوصلہ بخشا۔اس راہ میں مختلف دشواریاں تھیں،لیکن پروفیسر عزیز پریہار کی دور بیں نظر نے ایک انمول ہیرے کی شناخت کرتے ہوئے انھیں اردو شعر و ادب کے لازمی رموز و نکات سے آگاہی کرائی جو وشال کھلر کے لیے بہت بڑی نعمت ثابت ہوئی۔موصوف کا پہلا شعری مجموعہ ''دھند میں اماں'' کے نام سے ۲۰۱۱ء میں 'انشا پبلی کیشنز' سے شائع ہو چکا ہے۔جس پر ساہتیہ اکادمی نے ۲۰۱۱ء میں یوا پرسکار سے نوازا،جو ان کے شعری ذوق وشوق کا بہترین انعام ہے۔اس شعری مجموعہ میں غزلیں اور نظمیں دونوں شامل ہیں جس میں جدید استعارے اور نئی امیجری کو شاعر نے خوب کام میں لایا ہے۔

زیرِ تبصرہ کتاب ''خواب پلکوں میں'' وشال کھلر کا دوسرا شعری مجموعہ ہے۔اس مجموعہ میں کل ۵۴ غزلیں،۳۹ نظمیں اور ۷ نثری نظمیں شامل ہیں۔ انھوں نے جہاں کلاسیکی شعرا کا اثر قبول کیا ہے وہیں جدید لب و لہجے کو بھی اپنایا ہے۔چوں کہ معبودِ حقیقی سے دل کی فریاد ایک فطری عمل ہے جس

میں شاعر اپنے الفاظ ومعانی میں گیرائی اور گہرائی کے لیے التجا کرتا ہے۔ چنانچہ وشال کھلّر نے بھی اپنی پہلی غزل میں خدا کے حضور دست دعا دراز کرتے ہوئے اپنے لفظ ومعانی میں وسعت اور تخلیقی سرمایے میں پختگی کے لیے التجا کی ہے:

گنگناؤں سروں میں میں تجھ کو
میرے شعروں کو جادوئی کردے

تیری دھن میں رہے سدا کھلّر
اس کو روّمی کی بانسری کردے

ایک دوسری غزل کا یہ شعر دیکھیے:

حادثہ اک حادثوں کے درمیاں ہوتا ہوا
وقت کی دہلیز پر میں رائگاں ہوتا ہوا

مذکورہ شعر دنیا میں ہونے والے انتشار وسانحات کے اردگرد کروٹیں لیتا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ دنیا میں آئے دن رونما ہونے والے حادثات نے انسان کی بے بسی کو اجاگر کیا ہے۔ انسان اس قدر بے حس ہو چکا ہے کہ انسانیت سسک رہی ہے۔ ایک دوسری غزل کے دو شعر دیکھیں:

دل کی وحشت ہی سے کچھ عشق کا ساماں ہونا
پھر یہ حسرت بھی کہ یوں آگ کا عریاں ہونا
گر نہیں دیروحرم میں بھی سکونت ،یارب!
پھر تو اچھا ہے بیاباں کا بیاباں ہونا

مذکورہ اشعار میں مایوسی، قنوطیت اور ناامیدی کا غلبہ کارفرما ہے۔ شاعر کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ خودشناس کے ساتھ جہاں شناس بھی ہوتا ہے۔ ناامیدی اکیسویں صدی کا بہت اہم موضوع ہے۔ کھلّر صاحب نے اس اہم موضوع کو بہت قریب سے محسوس کیا ہے۔ وشال کھلّر کا شعری جہان کائنات کے تمام پہلوؤں کی عکاسی کرتا ہے۔ انسانی سماج آج کس بے رونقی کے اردگرد اپنی زندگی گزار رہا ہے۔ ہر طرف بے نیازی اور غموں کا انبار ہے اور مسلسل غموں کے حصار میں بندھتا جارہا ہے۔ اس سے متعلق ایک شعر دیکھیے:

کیسا انداز فقیرانہ ہے اے دل تیرا
غم کی صحبت ہی میں ہرشام سہانی کرنا
نئے غم کی حاجت تو بالکل نہیں ہے
ابھی غم بہت سے پرانے پڑے ہیں

غم اور خوشی انسانی زندگی کے لیے لازم وملزوم ہے۔ مذکورہ شعر میں غموں کی کثرت کے سبب کسی نئے غم کی خواہش کی نفی ہے۔ پرانے غموں سے ہی چھٹکارا نہیں ملا تو بھلا نئے غم کی خواہش کیوں کریں۔

ہندوستان مختلف قوموں کی آماجگاہ ہے۔ یہاں مختلف رنگ ونسل کے لوگ آباد ہیں۔ صدیوں سے اس گنگا جمنی تہذیب کے علمبردار ہمارے ادبا وشعرا نے اپنی تخلیقات میں یہاں کی قومی ہم آہنگی کو خاص جگہ دی ہے۔ کھلّر صاحب نے بھی اپنے پیش روکی روایت پر عمل کرتے ہوئے ہندوستانی مشترکہ تہذیب پر خامہ فرسائی کی ہے۔ مثلاً:

جو مندروں میں ٹھہر جائے، آرتی سا لگے
وہ مسجدوں سے نکلتی اذان لگتا ہے

تمام غزلوں کا مطالعہ شعری ذوق کو تسکین فراہم کرتا ہے، لیکن کہیں کہیں دوران قرأت ہم تنافرلفظی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ مثلاً:

(۱) میں ہوں اک نادان جو خود کا ہونہ سکا
لیکن وہ سب کے سب جب تب میرے ہیں
(۳) کیسا انداز فقیرانہ ہے اے دل تیرا
(۲) دریا کی تھا تھاہ میں پانی ڈوب کے کھلّر گہرا نکلا

مذکورہ بند میں تنافرلفظی ہے۔ تنافرلفظی کا مطلب یہ ہے کہ مصرع کی روانی دوران قرأت ٹوٹ جائے۔ تنافرلفظی حسن شعر کو مجروح بھی کرتا ہے۔

اس مجموعے کی تمام غزلوں کے موضوعات مختلف ہیں۔ موضوع کے اعتبار سے وشال کھلّر کی غزلیات صرف تفنن طبع اور حسن وعشق کے سامان ہی فراہم نہیں کر رہی ہیں بلکہ شعری ذوق کی تسکین اور مسائل زندگی کا مقابلہ کرنے میں معاون بھی ہیں۔ اس شعری مجموعے میں ۷ نثری نظمیں بھی ہیں۔ تمام نظمیں جدید لب و لہجے سے ہم آہنگ نظر آتی ہیں، جن میں عصر حاضر کے کم وبیش تمام مسائل و موضوعات موجود ہیں۔ اس شعری تخلیقات کے لیے وشال کھلّر کو مبارک باد، اس امید کے ساتھ کہ یہ شعری سفر یوں ہی جاری وساری رہے۔

تبصرہ نگار: محمد رکن الدین
ریسرچ اسکالر، شعبۂ اردو، جواہر لعل نہرو یونیورسٹی، نئی دہلی

اشاریہ-تذکرہ شعرائے اُترپردیش

مرتب: ڈاکٹر محمد اطہر مسعود خان
صفحات: ۱۵۲، قیمت: ۲۰۰روپے
ناشر: ڈاکٹر محمد اطہر مسعود

زیر تبصرہ کتاب ''اشاریہ تذکرہ شعرائے اُترپردیش'' ڈاکٹر اطہر مسعود خان کا نہایت اہم اور وقیع کارنامہ ہے۔ جس کو بہت محنت ومشقت اور لگن کے ساتھ انجام دیا گیا ہے۔ یہ کتاب تذکرہ نگار ڈاکٹر عرفان عباسی کی کتاب تذکرہ شعرائے اُترپردیش کا اشاریہ ہے۔ ڈاکٹر عرفان عباسی کی یہ کتاب

تقریباً ۳۲ جلدوں پر مشتمل ہے جس میں اُتر پردیش کے تمام نامور اور گمنام شعرا کے سوانحی حالات کو قلمبند کرنے کے ساتھ ساتھ ان کی ادبی خدمات کو بھی تفصیل و تحقیق کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ڈاکٹر اطہر مسعود خان نے عمیق نظری سے ان تمام جلدوں کا مطالعہ کر کے اس کا اشاریہ ایک کتاب کی شکل میں تیار کیا ہے جو ایک قابل قدر کارنامہ ہے۔ اس کتاب میں انھوں نے ڈاکٹر عرفان عباسی کی تمام تر ادبی خدمات کا احاطہ کیا ہے۔ اس کتاب کی فہرست کو درج ذیل عنوانات کے تحت ترتیب دیا گیا ہے۔ جو اس طرح ہے۔ انتساب، اظہار تشکر، پیش لفظ، مقدمہ، ڈاکٹر عرفان عباسی کی مطبوعہ کتب (تاریخ وار ترتیب)، ڈاکٹر عرفان عباسی کی مطبوعہ کتب (باعتبار حروف تہجی)، ڈاکٹر عرفان عباسی کی ادبی تنظیموں سے وابستگی، ڈاکٹر عرفان عباسی کو تفویض کیے گئے اعزازات، سوانحی و ادبی تعارف: ڈاکٹر اطہر مسعود خان، اشاریہ- تذکرہ شعرائے اُتر پردیش، اشاریہ- تذکرہ شعرائے ریختی۔

ڈاکٹر اطہر مسعود خان نے مقدمہ میں جن تفصیلات کا احاطہ کیا ہے ان میں سب سے پہلے تذکرہ نگاری کے فن اور روایت کے متعلق مباحث قلمبند کیے ہیں۔ اس میں انھوں نے تذکرہ نگاری سے متعلق ڈاکٹر عرفان عباسی کے اقوال تحریر کیے ہیں جو ان کے بیان کو معتبر اور اہم بناتے ہیں۔ چونکہ ڈاکٹر عرفان عباسی ایک تذکرہ نگار کی حیثیت سے ادب میں متعارف ہوئے لہٰذا مرتب نے ان کی تذکرہ نگاری کے اہم پہلوؤں کو بیان کرتے ہوئے بتایا ہے کہ عرفان عباسی کو کسی بھی شاعر کے سوانحی کوائف وغیرہ تحریر کرتے وقت جو ذرائع وسائل زیرِ غور ہوتے ان کو نہایت تلاش و جستجو اور تحقیق کے بعد ہی لائق استفادہ سمجھتے۔ اس کے ساتھ ہی مرتب نے ڈاکٹر عرفان عباسی کو بحیثیت خاکہ نگار بھی متعارف کرایا ہے۔ ان کے مطابق عرفان عباسی کو خاکہ نگاری میں ید طولیٰ حاصل تھا، انھوں نے ہر شاعر کا خاکہ منفرد انداز میں پیش کیا ہے اور تمام خاکوں میں کسی بھی طور پر مماثلت و مشابہت نظر نہیں آتی۔ ڈاکٹر اطہر مسعود خان نے مصنف کی خاکہ نگاری پر گفتگو کرتے ہوئے ان کے کچھ خاکوں کے نمونے بھی نقل کیے ہیں۔ جس سے ان کی انفرادیت کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ مرتب کے قول کے مطابق مصنف کی نثر سادہ، سلیس، دلکش اور رواں ہے۔ انھوں نے اس کتاب میں اس بات کی جانب بھی توجہ دلائی ہے کہ ڈاکٹر عرفان عباسی نے ۳۲ جلدوں میں تقریباً دس ہزار شاعروں کا تذکرہ مرتب کیا ہے۔ جو قابل تحسین ہے۔

بعد ازاں عرفان عباسی کی مطبوعہ کتب کو تاریخی ترتیب سے پیش کیا ہے۔ اس کے بعد حروف تہجی کے توسط سے کتابوں کی فہرست تیار کی گئی ہے۔ ڈاکٹر عرفان عباسی جن اہم ادبی تنظیموں سے وابستہ رہے اور جن اعزازات سے ان کو نوازا گیا اس کی فہرست تیار کی گئی ہے اور ان کی تمام تر ادبی کاوشوں کا اعتراف کرتے ہوئے اردو ادب میں ان کی ایک خاص حیثیت کو تسلیم کیا گیا ہے۔ مرتب یعنی ڈاکٹر اطہر مسعود خان خود درجنوں کتابوں کے مصنف، مؤلف اور مرتب رہے ہیں لہٰذا اس اعتبار سے چند صفحات میں ان کے مختصراً سوانحی احوال و کوائف اور ان کی کتاب (مطبوعہ اور زیرِ طبع) کی ایک طویل فہرست ترتیب دی گئی ہے، ساتھ ہی تقریباً ۴۰۰ سے زائد مقالات جو ہندوستان اور بیرون ممالک کے معتبر رسائل و جرائد میں شائع ہو چکے ہیں کی فہرست بھی شامل ہے۔ اس کے علاوہ ان کی علمی و ادبی خدمات پر تفویض کیے گئے انعامات کا ذکر بھی ہے اور کئی رسائل اور کمیٹی کے ممبر بھی رہ چکے ہیں۔

اشاریہ- تذکرہ اُتر پردیش کے باب میں تقریباً ۱۶۰۰ شاعروں کے نام مع تخلص، جلد نمبر اور صفحہ نمبر کے ترتیب دیا ہے۔ جس سے یہ بخوبی واضح ہو جائے گا کہ کون سے شاعر کا نام کس جلد میں درج ہے لہٰذا بغیر تمام جلدوں کو کھنگالے بآسانی اور براہ راست اسی جلد سے استفادہ کیا جا سکتا ہے۔ اس کے بعد اشاریہ- تذکرہ شعرائے ریختی کے عنوان سے ایک باب ترتیب دیا گیا ہے۔ مجموعی طور پر کتاب کی تفصیلات پر نظر ڈالی جائے تو ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ایک نہایت اہم اشاریہ ہے جو بہت قلیل وقت میں شاعروں کے متعلق معلومات حاصل کرنے میں کارگر ثابت ہوگی۔ کتاب کا سرورق عام قسم کا ہے۔ قیمت مناسب ہے۔

تبصرہ نگار: سفینہ بیگم
شعبۂ اردو، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

میزانِ قلم (تبصرے)

مصنف: ڈاکٹر رضاء الرحمٰن عاکف سنبھلی
صفحات: ۱۷۶، قیمت: ۲۰۰/روپے
ناشر: کتابی دنیا، ترکمان گیٹ، دہلی

کتابیں علم کا خزانہ، حکمت کا ذخیرہ اور معلومات کا ذریعہ ہوا کرتی ہیں۔ انسان نے جب سے تعلیم و تمدّن سے رشتہ جوڑا اور علم و فن سے خود کو آراستہ کیا ہے، کتابیں ہی اس کا ذریعہ رہی ہیں۔ مذہب و اخلاق ہو۔ یا تصوف و حکمت، علم و ادب ہو یا سائنس و ٹیکنالوجی ہر ایک کا ماخذ کتابیں ہی ہیں۔ عہد ماضی ہو یا آج کا ترقی یافتہ دور۔ ہر زمانے اور ہر عہد میں کتابوں نے ہی معلومات بہم پہنچائی ہیں۔ خوشی کی بات ہے کہ اس وقت بھی بڑے پیمانے پر کتابیں چھپ رہی ہیں اور اہل علم ان سے اپنی پیاس بجھا رہے ہیں۔

پیشِ نظر کتاب فخر الدین علی احمد میموریل کمیٹی، لکھنؤ کے مالی تعاون

سے اشاعت پذیر ہوئی ہے جس کا انتساب ''قلم وقرطاس کے مقدس رشتے کے نام'' کیا گیا ہے۔ کتاب کے آغاز میں صاحب تصنیف ڈاکٹر رضاء الرحمٰن عاکف کی تحریر ''ابتدائیہ'' کے عنوان سے پیش کی گئی ہے۔ جس میں مصنف نے اپنے ذوق طبع کو واضح کیا ہے۔ اس کتاب میں ۴۲ کتابوں پر تبصرے شامل کیے گئے ہیں۔ یہ کتابیں مختلف اصناف پر مشتمل ہیں۔ باعتبار صنف ان کی تعداد اس طرح ہے۔ افسانوی مجموعے (۴) ناول (۱) نعتیہ مجموعہ (۱) شعری مجموعے (۱۰) سفرنامہ (۱) رسائل (۳) تذکرے (۸) تنقید (۹) خطوط (۱) تاریخ (۱) کہانیاں (۲) ڈرامے۔

عاکف صاحب کتابوں کے بے انتہا شوقین و دلدادہ ہیں اور کتاب بینی کا ذوق ان کے رگ و پے میں بسا ہوا ہے۔ اسی وجہ سے وہ ہر کتاب کو بڑی توجہ وانہماک سے پڑھتے ہیں۔ پھر بڑی عرق ریزی کے ساتھ اس پر تبصرہ کرتے ہیں۔

کتاب میں شامل تبصروں میں سے اکثر ''اردو دنیا، دہلی'' اور ''ایوانِ اردو''، دہلی میں شائع ہو چکے ہیں۔ عاکف صاحب اپنے تبصرے میں کتاب کا تعارف کچھ اس طرح کراتے ہیں جس سے کتاب کی اہمیت بھی واضح ہوتی ہے اور اس کی افادیت بھی ظاہر کر دی جاتی ہے۔ شعری مجموعے سے حوالے کے طور پر اشعار اور نثری کتاب سے اقتباسات پیش کر دیے جاتے ہیں۔ کتاب کے اصل تعارف سے قبل ابتدائی سطور میں اس کے تعلق سے اپنے خیالات ضرور قلم بند کرتے ہیں جس میں مصنف کتاب اس کی صنفِ ادب اور اردو زبان کی اہمیت پر بھی اظہارِ خیال کیا جاتا ہے۔ کتاب میں شامل تبصرے ہمارے اس وعدے کی واضح دلیل ہیں، جن کی زبان و بیان اور معلومات نیز طرز تحریر سے یہ حقائق پایۂ استناد حاصل کر لیتے ہیں۔

اُمید ہے اردو کے پرستار اور کتابوں کے شوقین حضرات اس کتاب کو خرید کر اردو دوستی اور کتابوں کے تئیں اپنی محبت کا عملی ثبوت پیش کریں گے۔

تبصرہ نگار: نثار رحمٰن

نائب پرنسپل علامہ اقبال اسکول، میانسرائے، سنبھل (یوپی)

غالب اور راجستھان

مصنف: شاہد احمد جمالی

صفحات: ۳۰۳، قیمت: ۴۰۰/روپے

ملنے کا پتہ: راجپوتانہ اردو ریسرچ اکیڈمی، رام گنج بازار، جے پور

غالب کی شاعرانہ عظمت کا سکہ میرؔ، مومنؔ، ذوقؔ سب ہی نے تسلیم کیا ہے۔ غالبؔ ان سب پر غالب ہیں۔ انھوں نے آگرہ چھوڑ کر دلّی میں سکونت اختیار کی۔ اس زمانے میں دلّی شعر وسخن کا مرکز بنا ہوا تھا۔ غالب نے فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں طبع آزمائی کی۔ غالب کی شاعری میں سلاست، روانی، جدت پسندی، بلند خیالی اور فلسفہ بھی موجود ہے۔ ان کے اشعار نفسِ شاعری کی جان اور فصاحت و بلاغت کے روحِ رواں ہیں۔

غالب کا تعلق خاندانی اعتبار سے راجستھان سے پہلے سے ہی تھا۔ ان کے والد عبداللہ بیگ الور کے راجہ بختاور کی فوج میں ملازم تھے اور کسی لڑائی میں بمقام راج گڑھ گولی لگنے سے مارے گئے۔ راج گڑھ میں ہی ان کی قبر ہے۔ ان کی موت کے بعد راجہ نے پسماندگان کی کفالت کے لیے پانچ گاؤں عطا کیے تھے۔ ریاست الور میں غالب کے ہمدردوں اور تلامذہ کی فہرست بہت طویل ہے۔

غالب کو ریاست جے پور سے نقد انعام ملنے کی امید تھی۔ اس کے لیے غالب نے کتنی صعوبتیں اٹھائیں، راتوں کی نیند حرام کی، خود پر کھانا پینا حرام کیا، کیسے کیسے جتن کیے۔ یہ تمام روداد شاہد احمد جمالی نے غالب کے خطوط کے حوالے سے پیش کی ہے۔ غالب کو کتنا ملا، کب ملا اور کیسے ملا، یہ سب حیران و پریشان روداد بھی اس کتاب میں موجود ہے۔

شاہد احمد جمالی کا نام آج کل راجستھان کے اردو ادب میں کسی تعارف کا محتاج نہیں ہے۔ شاہد جذبہ اور جنون کے ساتھ اردو ادب کی خدمت کر رہے ہیں۔ جمالی کی سابقہ کتب کے مطالعے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ وہ خلوص اور سنجیدگی کے ساتھ راجستھان کے اردو ادب پر کام کر رہے ہیں۔

زیر نظر کتاب ''غالب اور راجستھان'' ایک تحقیقی کاوش ہے۔ مذکورہ کتاب دو حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلے حصہ میں غالب کی وہ داستان بیان کی گئی جس کی وجہ سے غالب کا بلڈ پریشر ہائی ہونے لگا تھا۔ قرض خواہوں کے مہیب سائے ان کی آنکھوں میں رقص کر رہے تھے۔ چھ ماہ کے طویل انتظار کے بعد جے پور سے غالب کو وہ چیز ملی جس کے ملتے ہی ان کی جان میں جان آ گئی۔

دوسرا حصہ تلامذۂ غالب کی شعری خدمات پر مشتمل ہے۔ واقعی یہ ایک بڑا کارنامہ ہے۔ جو محنت اور لگن شاہد جمالی نے کی ہے وہ قابل تعریف ہے۔ میں ان کے جذبہ اور خلوص کی قدر کرتے ہوئے ان کو دل کی گہرائیوں سے مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ امید ہے یہ تصنیف سنجیدہ ادبی حلقوں اور خاص کر راجستھان کے اردو ادب میں قدر کی نگاہ سے دیکھی جائے گی۔

تبصرہ نگار: ڈاکٹر نشاط حسن نشی

15/65 ترلوک پوری، دہلی۔ 110091

◆◆◆